محمد احمد علی
ریسرچ اسکالر
شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی

دبستانِ کراچی کی غزل میں نئے ادبی رُجحانات اور عصری حسیّت

ABSTRACT

New literary trends and contemporary sensibility in Karachi school of ghazal By Muhammad Ahmed Ali, Research Scholar, Department of Urdu, University of Karachi.

In the 1960's, some new trends emerged in Urdu poetry. Karachi, being the largest city of Pakistan and a literary centre, developed as a distinct literary school of Urdu ghazal. This article evaluates the Urdu ghazal, composed by the poets from Karachi. With reference to various poets, the article analyses the literary trends and sensibility reflected in it.

۱۹۶۰ء کے بعد لکھی جانے والی غزل ایسے بہت سے جدید اور حسی تجربات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جن کے ابتدائی نقوش ترقی پسند تحریک اور حلقۂ ارباب ذوق سے پھوٹتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اگر ہم مزید ماضی میں جھانکیں تو ترقی پسندی اور جدیدیت کے ڈانڈے محمد حسین آزاد اور حالی کے موضوعاتی مشاعروں سے جا ملتے ہیں، جنھیں ہم انجمنِ پنجاب کے مشاعرے کہتے ہیں آج کے دور میں لکھی جانے والی غزل نے جدید شعریات کو روشناس کرایا نئے شاعروں نے اپنی غزل میں نئے خیالات، نئی علامات کو پیش کیا استعاراتی اور علامتی اظہار کو اپنی غزلوں کے قالب میں ڈھالا جس کے پیچھے صنعتی، مشینی اور میکانکی تہذیب کے ہاتھوں ٹوٹتی پھوٹتی معاشرتی اقدار، روحانی دیوالیہ پن، زندگی سے فرار، مادی سہاروں کی تلاش، احساسِ تنہائی جیسے رُجحانات اور میلانات کارفرما تھے۔ کراچی کیونکہ سمندر کے کنارے آباد ہے، ساحلی اور صنعتی شہر ہونے کی وجہ سے کراچی میں جنم لینے والی تہذیب اور تمدن نے ایسی حسیت کو جنم دیا جس کے نتیجے میں فرد کا فرد سے براہِ راست تعلق ٹوٹ گیا اور شدید تنہائی کے احساس نے یہاں کے شاعروں اور ادیبوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اسی احساس تنہائی کی وجہ سے نئی شاعری میں فرد کی اپنی ذات کو بنیادی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس مشینی عہد میں کراچی کا شاعر ذات کے وسیلے سے حیات و کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے وہ ذات کو مرکز مان کر باطن کی طرف سفر کرتا ہے وہ خوددار بھی ہے، خودشناس ہے، ذہین بھی ہے، اس میں غصہ بھی ہے، وہ آزاد رہنا چاہتا ہے، وہ ہر طرح کی رکاوٹوں کو

ہٹا کر آگے بڑھنا چاہتا ہے وہ شکست خوردہ ہے اور شدید تنہائی کا شکار ہے اس لیے وہ اپنی ذات سے ہمکلام ہوتا ہے اس کے اشارے غیر واضح اور مبہم ہیں مثلاً

تنہائی کواڑ کھول دے نا
میں ہوں کوئی دوسرا نہیں ہے(۱)

اے دل شاید وہ خواب ہی تھا کب گھر کوئی میں نے بسایا تھا
کوئی رنگ تھا اور نہ خوشبو تھی سناٹا بولنے آیا تھا(۲)

ہم کو خود سے ملے زمانہ ہوا
گھر سے بے گھر ہوئے زمانہ ہوا
رسم ہمسائیگی بھی بھول گئے
کچھ کہے، کچھ سنے ، زمانہ ہوا(۳)

ایک دستک سنائی دی ہے مجھے
دیکھ تنہائی کون آیا ہے(۴)

چُھٹتے چُھٹتے بھی اِسے عمر لگے گی عاصم
یہ کوئی بھیڑ نہیں مجمعِ تنہائی ہے(۵)

کسی کے ہجر میں جینا محال ہوگیا ہے
کسے بتائیں ہمارا جو حال ہوگیا ہے
مسافتِ شبِ ہجراں میں چاند بھی اجملؔ
تھکن سے چور غموں سے نڈھال ہوگیا ہے(۶)

کیسے کیسے رنگ ہیں تنہائی کی تصویر میں
جب کبھی فرصت ملے تب آئینے میں دیکھنا(۷)

مندرجہ بالا امثال سے ظاہر ہورہا ہے کہ شعرائے کراچی نے اپنی تنہائی کو جس طرح محسوس کیا ویسے ہی اس کا اظہار کرڈالا، ان کے اظہار میں کوئی ڈھلا ڈھلایا سانچا نہیں ہے نہ قدیم علامتوں اور تشبیہات و استعارات کا سہارا لیا گیا ہے، داخلی جذبات اور تجربات کی غیر مرئی تصویریں جس طرح محسوس کیں اسی طرح پیش کردیں یہی عمل غزل میں جدید رُجحانات کا عکاس ہے۔

غزل وہ صنف سخن ہے جس میں دوسری اصناف کے مقابلے میں انسانی جذبات، احساسات اور تجربات کو زیادہ توانائی اور زیادہ شدت کے ساتھ ابھارا جاسکتا ہے لہٰذا فکر اور جذبے کی سطح پر ابھرنے والے انتشار و اضطراب، کرب ونشاط، غم وغصہ، امید وبیم کی کیفیتیں غزل کی بساط پر جس طرح ابھرتی ہیں اس کی مثال دوسری صنف شاعری میں ممکن نہیں غزل بنیادی طور پر شخصیت کا داخلی عکس پیش کرنے کے باوجود خارجی عوامل کی بھی بھرپور ترجمان ہے اور غزل کے آئینے میں کسی بھی دور کی چلتی پھرتی تصویریں باآسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔

بقول فرمان فتح پوری:

> ''مانا کہ شاعری تاریخ کا بدل نہیں ہوتی پھر بھی مشرق ومغرب کی دو متضاد تہذیبوں کے تصادم کی کہانی اردو شاعری کی لفظی سطح پر نہیں بلکہ معنوی سطح پر پوری طرح لکھ دی گئی ہے اور پڑھی جاسکتی ہے غزل کی زبان میں اس کا پڑھنا قدرے مشکل ہے وہ اظہار واقعہ میں حد درجہ ایجاز واختصار رمز وایما سے کام لیتی ہے پھر بھی گہری نظر رکھنے والوں نے میرؔ، آتشؔ، غالبؔ اور حالیؔ کی غزلوں کی تہہ میں وہ سب کچھ پالیا جو اوروں کو میرؔ کی مثنویات، سوداؔ کی ہجویات، اور حاتمؔ کے شہر آشوب میں بھی مشکل سے نظر آتا ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ اردو شاعری ہر دور میں معاشرے کی تابع رہی ہے اور اس میں فعل، انفعال اور تفاعل کی جتنی صورتیں نظر آتی ہیں ان سب کی تہہ میں کوئی نہ کوئی سماجی وسیاسی محرک کارفرما ہوتا ہے۔(۸)''

درج بالا اقتباس سے یہ بات عیاں ہے کہ شاعری فنکار کے باطن کے علاوہ اس کے معاشرے اور سماج کی مکمل اور اُجلی تصویریں پیش کردیتی ہے۔ غزل نے فنکاروں کو سیاسی، سماجی اور معاشرتی اظہار کے لیے ایک قوی سانچہ مہیا کیا ہے اور اس سانچے کا استعمال کراچی کے شعراء نے کمال مہارت سے کیا ہے اگر ہم دبستان کراچی کے شعرا کے کلام کا مطالعہ کریں تو ہمیں کراچی میں ہونے والی سیاسی، سماجی اور لسانی کشمکش کی چلتی پھرتی تصویریں صاف دکھائی دیتی ہیں مثلاً:

منزل کے خواب دیکھتے ہیں پاؤں کاٹ کے
کیا سادہ دل یہ لوگ ہیں گھر کے نہ گھاٹ کے
کھینچی تھی جن کے خوف سے سدِّ سکندری
سوئے نہیں ہیں آج وہ دیوار چاٹ کے
اب تو درندگی کی نمائش بھی حسن ہے
دیوار پہ سجاتے ہیں سر کاٹ کاٹ کے(۹)

میرے شعروں میں نہاں صدقِ سخن ہے میرا
میرا دیوان حلف نامۂ فن ہے میرا
یہ الگ بات کہ پھولوں سے تہی ہے دامن
ورنہ کہنے کے لیے سارا چمن ہے میرا
یہ وطن میرے، مرے شعر کے دشمن ہی سہی
پھر بھی یہ فخر ہے مجھ کو یہ وطن ہے میرا
کون فرزندِ زمیں، کون نہیں ہے صہبا
جب یہی خاک، بدن اور کفن ہے میرا(۱۰)

مرا جہاں ابھی میرا جہاں بنا ہی نہیں
زمیں بنی ہی نہیں آسماں بنا ہی نہیں
ہزار سبز سہی رائگاں سی لگتی ہے
وہ شاخ جس پہ کبھی آشیاں بنا ہی نہیں
جس انقلاب کی سرخی مرے لہو نے لکھی
وہ انقلاب مری داستاں بنا ہی نہیں
بہت سی اور بھی شرطیں ہیں کارواں کے لیے
ہجوم سے تو کبھی کارواں بنا ہی نہیں(۱۱)

وہ سامنے ہی تو ہے منزلِ امید مگر
بھٹک گئے ہیں اندھیروں میں آج اہلِ نظر
نقابِ چہرۂ شب اُٹھ چلا مگر پھر بھی
اداس اداس اجالے بجھی بجھی ہے سحر
نشانِ جادۂ منزل مجھے ملا بھی تو کیا
بھٹک رہے ہیں ابھی تک مرے شریکِ سفر(۱۲)

میں یہ کس کے نام لکھوں جو الم گذر رہے ہیں
مرے شہر جل رہے ہیں مرے لوگ مر رہے ہیں
کوئی غنچہ ہو کہ گل ہو کوئی شاخ ہو شجر ہو
وہ ہوائے گلستاں ہے کہ سبھی بکھر رہے ہیں
کوئی اور تو نہیں ہے پسِ خنجر آزمائی
ہمیں قتل ہو رہے ہیں ہمیں قتل کر رہے ہیں (۱۳)

بہت رہا بڑی عیّاریوں کے بعد ہوا
وہ مہربان دل آزاریوں کے بعد ہوا
اک آدمی کی رہائی سے بھی تو ہو جاتا
جو شہر بھر کی گرفتاریوں کے بعد ہوا (۱۴)

کہتا نہیں ہے کوئی بھی سچ بات ان دنوں
اچھے نہیں ہیں شہر کے حالات ان دنوں
الجھا دیا ہے مجھ کو غمِ روز گار نے
ممکن نہیں ہے تجھ سے ملاقات ان دنوں
انصاف بھاری بوٹوں میں دب کر کچل گیا
پھرتی ہے بین کرتی مساوات ان دنوں (۱۵)

مندرجہ بالا شعری امثال کے علاوہ اس طرح کی سینکڑوں اور مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں کراچی کے شعرائے کرام نے اپنے اردگرد پیش آنے والے حالات وواقعات اور شہر کی سیاسی وسماجی اور لسانی کشمکش کی سچی تصویریں پیش کردی ہیں اور عصری شعور اور داخلی احساس کے اظہار کو بخوبی نبھایا ہے۔

بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

''ادب میں عصریت کا مقبول ترین مفہوم تو یہ ہے کہ ادیب اپنے زمانے کے مسائل اور واقعات سے ہم رشتہ ہو مراد یہ ہے کہ ادیب اگر کسی ''یوری ٹاور'' میں بند ہو کر

بیٹھ جائے تو اس کا تخلیق کردہ ادب بھی زندگی کی کروٹوں سے تہی ہو کر محض افیونی کا خواب بن جائے گا۔(۱۶)''

یہی عصری حسیت جس کا ذکر ڈاکٹر وزیر آغا نے کیا ہے شعرائے کراچی کے ہاں جا بجا نظر آتی ہے اسی لیے نئی شاعری تحفظ کی چھت کے سائے سے محروم نظر آ رہی ہے یہ کراچی کے شاعر کا المیہ ہے، وہ بے سہارا ہے، کسی نظریے یا فلسفے اور آدرش میں اس کے لیے کوئی کشش باقی نہیں رہی فاصلے ہیں کہ کم ہو رہے ہیں مگر انسان اور انسان کے درمیان دوری بڑھ رہی ہے عدم تحفظ، بیروزگاری، معاشی عدم استحکام، تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات و رُجحانات نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے جس سے یہاں کے شعراء بھی متاثر ہوئے ہیں اور یہی تاثر ان کی شاعری میں واضح طور پر نظر آتا ہے جدید شاعر، شاعری کو پیغمبری کا درجہ نہیں دیتا بلکہ اپنے باطن اور اطراف میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ، مسرت اور انبساط کو اپنی شاعری کا محور بناتا ہے نئے شاعر کو بڑے موضوعات، بڑی شخصیات، بڑے فلسفوں سے کوئی سروکار نہیں ہے بلکہ انسان اور انسانی زندگی میں پیش آنے والے واقعات و حالات ہی اس کی شاعری کا سرچشمہ ہیں۔

جدید غزل کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس غزل پر ہم کسی قسم کا لیبل نہیں لگا سکتے نہ کسی ایک صفت اور کیفیت کے دائرے میں اس کو قید کر سکتے ہیں البتہ جدید تر غزل میں اگر ہم ان جذبات اور احساسات کو دیکھنے کی کوشش کریں جن کا تعلق عشق و محبت سے ہے تو ہمیں یہاں نئے شاعر کا رویّہ بدلا ہوا نظر آئے گا زندگی میں عشق کی مرکزیت اور اولیت سے انکار کی روایت غالب کے یہاں ملتی ہے جدید غزل میں یہ تصور اور بھی گہرا ہو گیا ہے اب زندگی کے لاتعداد مسائل میں یہ نقطہ کبھی نظر آتا ہے اور کبھی خود شاعر کو اس کے موہوم ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ رومانی شاعری اردو غزل کی آن بان اور شان ہے آج بھی جب کسی مشاعرے میں کوئی شاعر ان رومانی جذبات کے تار چھیڑتا ہے تو وہ مشاعرے میں سب سے زیادہ داد حاصل کرتا ہے۔

رومانی شاعری نے غزل کو زہد پسندی اور اخلاقی سدھار کا ذریعہ بننے سے روکا ہے اور انسان کے لطیف جذبات کی بے حد حسین تعبیریں پیش کی ہیں۔

عشق کے روایتی موضوع کو شعرائے کراچی نے بھی موضوعِ سخن بنایا ہے مگر اسے زندگی کا مرکز اور حاصل سمجھ کر نہیں بلکہ حیات کے مختلف رنگوں میں سے ایک رنگ سمجھ کر، اس سلسلے میں کچھ شعر ملاحظہ کیجیے۔

لمحۂ رفتہ کا دل میں زخم سا بن جائے گا
جو نہ پُر ہوگا کبھی ایسا خلا بن جائے گا

ہر نئے نقش قدم میرے بھٹکنے سے بنے
لوگ جب ان پر چلیں گے راستہ بن جائے گا
اک برہمن نے یہ آکے صحنِ مسجد میں کہا
عشق جس پتھر کو چھوئے وہ خدا بن جائے گا(۱۷)

وہ پیشہ ور ہیں جو لوگوں کے زخم سیتے ہیں
ہمارے زخم ہمارے بہت چہیتے ہیں
شب فراق کا ہم کو کبھی گلہ نہ ہوا
وہ دن وصال کے دن تھے جو ہم پہ بیتے ہیں
نیاز مند ہوں میں اپنے قدر دانوں کا
جو آکے شام کو میری شراب پیتے ہیں
ہمیں بھی سوختہ کرتے ہیں اور تم کو بھی
ہمارے لفظ نہیں ہیں میاں فلیتے ہیں(۱۸)

عشق وہ کار مسلسل ہے کہ ہم اپنے لیے
ایک لمحہ بھی پس انداز نہیں کر سکتے
حسن کو حسن بنانے میں مرا ہاتھ بھی ہے
آپ مجھ کو نظر انداز نہیں کر سکتے(۱۹)

اُن کے رخ کو حیا کی سرخی کا
ایک پیغام آنے والا ہے
بس وہ گھبراتے بس وہ شرماتے
اب مرا نام آنے والا ہے(۲۰)

تم کسی اور سے معلوم تو کر کے دیکھو
ہم کسی اور کے کتنے ہیں تمھارے کتنے(۲۱)

کتنی فرصت ہے ہمارے دلِ بے کار کے پاس
وقت بے وقت پہنچ جاتا ہے دل دار کے پاس
اس کا گھر پوچھتے پھرنے کی ضرورت ہی نہیں
لوگ بیٹھے ہوئے مل جائیں گے دیوار کے پاس
کوئی نایاب نہیں جنسِ محبت لیکن
پائی جاتی ہے ہزاروں میں یہ دو چار کے پاس(۲۲)

آج اُس بے وفا کی یاد آئی
آج ہر شکل بے وفا سی لگی(۲۳)

عشق میں خود سے محبت نہیں کی جاسکتی
پر کسی کو یہ نصیحت نہیں کی جاسکتی
کنجیاں خانۂ ہمسایہ کی رکھتے کیوں ہو
اپنے جب گھر کی حفاظت نہیں کی جاسکتی
کچھ تو مشکل ہے بہت کارِ محبت اور کچھ
یار لوگوں سے مشقت نہیں کی جاسکتی(۲۴)

گر محبت کہیں موجود ہے قطرہ ہوکر
آملے دل کے سمندر میں وہ دریا ہو کر
چوڑیاں ، پھول ، شب ماہ ، برستی بارش
کچھ بھی اچھا نہیں لگتا مجھے تنہا ہو کر

ہجر کی دھوپ کبھی وصل کی چھاؤں کبھی خواب
مجھ پہ ہر رنگ میں گذرا ہے وہ عرصہ ہو کر (۲۵)

دھیان رہتا ہے ترے غم کی عنایت کی طرف
کیسے جائیں گے کسی اور کی چاہت کی طرف
ذکر نکلے گا تو سب تیری طرف دیکھیں گے
مجھ کو آنے ہی نہیں دیں گے وضاحت کی طرف
نامناسب تھا مگر میں نے مسلسل دیکھا
تھی جو اک تم سے مشابہ اُسی صورت کی طرف
ایک عورت کو سمجھنے کے لیے کم ہے حیات
کس طرح جاؤ گے تم دوسری عورت کی طرف (۲۶)

عجب انداز میں اب صبح کی تنویر ہوتی ہے
نہ کوئی خواب ہوتا ہے نہ وہ تعبیر ہوتی ہے
محبت میں خدا کو ڈھونڈنے والے پریشاں ہیں
ہر اک بینائی کی زد پر کوئی تصویر ہوتی ہے
جسے تم شور کہتے ہو جسے ہم چیخ کہتے ہیں
وہ آوازِ گرفتِ حلقۂ زنجیر ہوتی ہے
بہت سے زاویے ہوتے ہیں دل آویز صورت کے
مگر جو آدمی کی آخری تصویر ہوتی ہے (۲۷)

عالم ذات میں حیرت کی طرح ہوتے ہیں
جانے والے بھی قیامت کی طرح ہوتے ہیں
جاتے جاتے کسی اپنے کے حوالے کردوں
آنکھ میں خواب امانت کی طرح ہوتے ہیں

یاد آتے ہیں کڑی عمر میں بیتے ہوئے عشق
یہ بھی بچپن کی شرارت کی طرح ہوتے ہیں(۲۸)

جدید غزل موجودہ سیاسی صورت حال اور سماجی مسائل کی عکاسی بھرپور طریقے سے کرتی ہے کراچی کے نئے غزل گو شعرائے کرام نے یہاں پائی جانے والی بدامنی، تعصب، نفرت، مذہبی انتہا پسندی، فرقہ واریت، لسانی تعصب، علاقہ پرستی، نسلی فسادات، دہشت گردی، سیاسی اور سماجی زندگی میں بدعنوانیاں، رشوت خوری، چور بازاری، اقرباء پروری، زر پرستی، اعلیٰ عہدوں پر سیاسی تقرریاں، اثر ورسوخ کا غلط استعمال اخلاقی قدروں کی پامالی، عورتوں پر کیے جانے والے مظالم مزدوروں اور سرکاری ملازمین کے مظاہرے۔ لوٹ مار، مارشل لاء، مہنگائی، محاصرے، سیاست دانوں کی بدعنوانیاں عدم تحفظ غرض وہ کونسا موضوع ہے جسے اپنی غزل میں نہ پیش کیا ہو درجہ بالا تمام موضوعات پر سینکڑوں شعری امثال موجود ہیں جنہیں پیش کیا جاسکتا ہے مگر یہاں اختصار سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

بیٹھے ہیں سنہری کشتی میں اور سامنے نیلا پانی ہے
وہ ہنستی آنکھیں پوچھتی ہیں یہ کتنا گہرا پانی ہے
بستی کے گھروں کو کیا دیکھے بنیاد کی حرمت کیا جانے
سیلاب کا شکوہ کون کرے سیلاب تو اندھا پانی ہے(۲۹)

خواب میں جو کچھ دیکھ رہا ہو اُس کا دکھانا مشکل ہے
آئینے میں پھول کھلا ہے ہاتھ لگانا مشکل ہے
اس کے قدم سے پھول کھلے ہیں میں نے سنا ہے چار طرف
ویسے اس ویران سرا میں پھول کھلانا مشکل ہے(۳۰)

کچھ تو ہلاک جرات گفتار ہوگئے
باقی جو تھے وہ نقش بہ دیوار ہوگئے
جن کی رفاقتوں پر بہت اعتماد تھا
وہ دشمنوں کے ہاتھ کی تلوار ہوگئے
کیا کیا نہ ان سے خواب میں گستاخیاں رہیں
میں سوگیا تو حوصلے بیدار ہوگئے(۳۱)

کوئی آواز انا تھی اپنی
سب سے تصویر جدا تھی اپنی
اک قلم اور یہ تحریر نیاز
یہی تہذیب سزا تھی اپنی
آخری بات جو اس شہر میں کی
شہر والوں کو دعا تھی اپنی
جانے کس طور نمو پاتے رہے
جب یہ موسم نہ ہوا تھی اپنی(۳۲)

دیوار بن کے ظلم کے آگے اڑے گا کون
ارباب جہل و جبر کے پیچھے پڑے گا کون
میں اپنی جنگ لڑ بھی چکا ہار بھی چکا
اب میرے بعد میری لڑائی لڑے گا کون(۳۳)

سودا ہے محبت کا تو سر ساتھ میں رکھنا
اس دشت میں یہ زاد سفر ساتھ میں رکھنا
بجھتا ہوا اک دیپ سہی ہم ہمیں پھر بھی
جب تک نہ ہو جائے سحر ساتھ میں رکھنا(۳۴)

اک آس کا دھندلا سایہ ہے اک یاس کا تنہا صحرا ہے
کیا دیکھ رہے ہو آنکھوں میں ان آنکھوں میں کیا رکھا ہے
جب کھونے کو کچھ پاس بھی تھا تب پانے کا کچھ دھیان نہ تھا
اب سوچتے ہو کیوں سوچتے ہو کیا کھویا ہے کیا پایا ہے

میں جھوٹ کو سچ سے کیوں بدلوں اور رات کو دن میں کیوں گھولوں
کیا سننے والا بہرا ہے کیا دیکھنے والا اندھا ہے
اب سارے تارے کنکر ہیں اب سارے ہیرے پتھر ہیں
اس بستی میں کیوں آئے ہو اس بستی میں کیا رکھا ہے(۳۵)

جسم کو سرسبز جان کو شبنمی کرنے کے بعد
دل بہت دکھنے لگا غم کو خوشی کرنے بعد
سنگ طفلاں کی روایت کو بھی دوہرایا گیا
اپنی ہی گلیوں میں مجھ کو اجنبی کرنے کے بعد
سانس لینے کا تکلف ہی تو باقی رہ گیا
روزمرہ کی ضرورت میں کمی کرنے کے بعد
میرے بجھنے کی تمنا میں جلے ہیں کتنے لوگ
اور میں روشن ہوا ہوں روشنی کرنے کے بعد(۳۶)

گواہی کیوں نہ دی تم نے بدلتے منظروں کی
جو تم کو دیکھنا تھا تم نے دیکھا کیوں نہیں ہے
اسی باعث تو آئینے شکستہ ہو رہے ہیں
کہ جو سچا نظر آتا ہے سچا کیوں نہیں ہے
اس دکھ میں تو آنکھیں بند ہوتی جارہی ہیں
کہ جو اچھا نظر آتا ہے اچھا کیوں نہیں ہے(۳۷)

سائے کے تعاقب میں آواز کدھر جائے
جب روح کی تنہائی آنکھوں میں اتر جائے

امروز کی اجرت بھی اک وعدۂ فردا ہے
ہر روز تہی داماں کیسے کوئی گھر جائے (۳۸)

میں نے کل خواب میں آئندہ کو چلتے دیکھا
رزق اور عشق کو اک گھر سے نکلتے دیکھا (۳۹)

ہمارے لہجے میں یہ توازن بڑی صعوبت کے بعد آیا
کئی مزاجوں کے دشت دیکھے، کئی رویوں کی خاک چھانی (۴۰)

روز پیروں تلے کچلتا ہوں
روز سر پر سوار ہے دنیا (۴۱)

بدن میں بیٹھ کے غم نشان کھینچتا ہے
وہ ایک کرب جو تلووں سے جان کھینچتا ہے
کڑے تناؤ میں رہنے لگی ہے وقت کی ڈور
اُدھر یقین، اِدھر سے گمان کھینچتا ہے (۴۲)

اوپر دی گئی مثالوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جدید غزل انسانی زندگی اور اس کے ماحول کے رشتوں اور رابطوں کو بالکل نئے انداز سے دیکھتی ہے اس غزل میں داخلیت اور خارجیت کی حدیں ختم ہوگئی ہیں جس کی وجہ سے شعر میں معنی کی کئی سطحیں ابھرتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ان اشعار میں قافیوں کی رعایت سے پرانے مضامین یا عشق و عاشقی کی کیفیات کو لفظی الٹ پھیر کے ساتھ دہرانے کی کوشش نہیں کی گئی ان میں وہی کیفیتیں ہیں جن سے آج کا شاعر دوچار ہے۔ بقول عبدالکریم خالد:

> ''ادب کسی بھی زبان کا ہو اپنے رویوں اور رجحانات کی استواری میں رد و قبول کے ان گنت مراحل سے گزرتا ہے اور ایک ہمیشہ جاری رہنے والے زمینی اور زمانی سفر سے وابستہ رہتا ہے۔ (۴۳)''

چونکہ جدید غزل جدید تر ذہنی کیفیات اور طرز احساس کی پیداوار ہے اس لیے شعرائے کراچی کے کلام میں ایک نیا ذائقہ ہر جگہ زندہ اور محسوس شکل میں دکھائی دیتا ہے جدید غزل گو شعراء نے پرانی علامتوں کو اپنی ذہنی کیفیات کے اظہار کے لیے غیر ضروری سمجھ کر خود اپنے ماحول اور زندگی سے علامتیں وضع کی ہیں اگر کہیں پرانی علامتوں کا سہارا لیا بھی ہے تو ایک نئے اور انوکھے انداز سے۔جس کی وجہ سے اردو غزل اپنی مٹی اپنے وطن اور اپنے شہر سے بہت قریب آ گئی ہے فرسودہ الفاظ اور علامتیں اب قریب قریب ختم ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے جدید تر غزل کا لہجہ حقیقی ہو گیا ہے نئی غزل اپنے زمانے کی روح سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے ایک نوع کی تازگی رکھتی ہے کراچی چونکہ چھوٹا (mini) پاکستان ہے یہاں پاکستان کے ہر علاقے اور ہر زبان کے بولنے والے افراد رہتے ہیں جن کے باہمی اختلاط سے ایک مخلوط معاشرہ جنم لے چکا ہے اس لیے کراچی کی شاعری اور ادب میں پورے پاکستان کا دل دھڑکتا ہے کراچی میں تخلیق ہونے والا ادب پورے پاکستان کی نمائندگی کرتا ہے شعرائے کراچی نے وقت اور ماحول سے ہم آہنگ ہو کر اور مقصدیت کو پیش نظر رکھ کر ایسا ادب تخلیق کیا ہے جس میں کلاسکیت اور جدیدیت کے امتزاج سے ایک نیا لہجہ اور ایک نیا آہنگ صاف دیکھا جا سکتا ہے۔

حواشی:

(۱) سلیم کوثر، خالی ہاتھوں میں ارض و سما (سیتا سنز پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء)، ص ۳۰ [اشاعت پنجم]۔
(۲) عبید اللہ علیم، چاند چہرہ ستارہ آنکھیں (کراچی: سیپ پبلیکیشنز، ۱۹۷۴ء)، ص ۳۴
(۳) شاداب احسانی، پسِ گرداب (لاہور: ماورا پبلشرز، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۶-۳۵ [اشاعت دوم]۔
(۴) عزم بہزاد، تعبیر سے پہلے (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ص ۴۸۔
(۵) لیاقت علی عاصم، تپش عشق (مشتاع مطبوعات، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۹۔
(۶) اجمل سراج، اور میں سوچتارہ گیا (کراچی: خواجہ پرنٹرز ناظم آباد، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۷۱-۱۷۰
(۷) سلمان صدیقی، سر دست (لاہور: سورج پبلشنگ بیورو، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۵۔
(۸) فرمان فتح پوری، اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ (جولائی ۱۹۹۰ء)، ص ۱۲۔
(۹) حمایت علی شاعر، مٹی کا قرض (کراچی: احمد برادرز پرنٹرز، ۱۹۸۰ء)، ص ۱۱۰۔
(۱۰) صہبا اختر، مشعل (ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۵ء)، ص ۲۰۸-۲۰۷
(۱۱) پیرزادہ قاسم، تند ہوا کے جشن میں (شرکت پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۰۲-۱۰۱ [اشاعت سوم]۔
(۱۲) زہرا نگاہ، شام کا پہلا تارا (کراچی: گولڈن بلاک ورکس، ۱۹۸۰ء)، ص ۱۱۰۔
(۱۳) عبید اللہ علیم محولہ بالا ص ۸۰-۷۹
(۱۴) جمال احسانی، ستارۂ سفر (ہیرالڈ پریس، ۱۹۸۲ء)، ص ۲۹۔
(۱۵) عارف شفیق، یقین، ماہنامہ ادبی دنیا، کراچی، (۲۰۱۱ء)، ص ۴۹۵ [اشاعت چہارم]۔
(۱۶) وزیر آغا، ادب میں عصریت کا مفہوم (۱۹۹۴ء)، ص ۸۹۔

(۱۷) سلیم احمد، چراغ نیم شب (کراچی: عظیمی پرنٹر ناظم آباد، ۱۹۸۹ء)، ص ۶۵۔ ۶۴ [اشاعت دوم]۔

(۱۸) جون ایلیاء، گویا (لاہور: حاجی حنیف پرنٹرز، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۱۸۔ ۱۱۷ [اشاعت دوم]۔

(۱۹) رئیس فروغ، رات بہت ہوا چلی (کراچی: طارق رئیس فروغ ناظم آباد، ۲۰۱۶ء)، ص ۵۰۔

(۲۰) جون ایلیاء، گویا (لاہور: حاجی حنیف پرنٹرز، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۲۶ [اشاعت دوم]۔

(۲۱) انور شعور، اندوختہ، (کراچی: ذکی پرنٹرز، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۴۲ [اشاعت سوم]۔

(۲۲) انور شعور، عشق سخن (کراچی: ڈائلاگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ص ۵۹۔

(۲۳) لیاقت علی عاصم، محولہ بالا، ص ۲۶۔

(۲۴) جمال احسانی، محولہ بالا، ص ۱۷۔

(۲۵) ریحانہ روحی، عشق ذاد (کراچی: لاریٹ پیکجز، ۲۰۰۰ء)، ص ۴۵۔

(۲۶) سلمان صدیقی، باز گشت (کراچی: درّاک پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۴۴۔ ۴۳

(۲۷) محسن اسرار، تاثیر (سرزمین پبلی کیشنز، مئی ۲۰۰۹ء)، ص ۱۷۰۔ ۱۶۹

(۲۸) توقیر تقی، انا العشق، دنیائے ادب کراچی (۲۰۱۳ء)، ص ۱۲۰۔

(۲۹) سلیم احمد، چراغ نیم شب (کراچی: عظیمی پرنٹر ناظم آباد، ۱۹۸۵ء)، ص ۶۶۔

(۳۰) قمر جمیل، چہار خواب (۱۹۸۵ء)، ص ۶۷۔

(۳۱) سرشار صدیقی، بے نام (۱۹۸۳ء)، ص ۱۳۶۔

(۳۲) رضی اختر شوق، جست (کراچی: ڈائیلاگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ص ۱۵۱۔ ۱۵۰ [اشاعت دوم]۔

(۳۳) خالد علیگ، غزال دشتِ سگاں (کراچی: ذکی پرنٹرز، ۲۰۰۷ء)، ص ۶ [اشاعت دوم]۔

(۳۴) ایضاً۔

(۳۵) سحر انصاری، نمود (کراچی: ادبستانِ جدید، ۱۹۷۶ء)، ص ۱۶۲۔

(۳۶) سلیم کوثر، دنیا مری آرزو سے کم ہے (کراچی: فرید پبلیشرز، ماسٹر نواز نیاز)، ص ۱۹۸۔ ۱۹۷

(۳۷) سلیم کوثر، محولہ بالا، ص ۱۹۸۔

(۳۸) شاداب احسانی، محولہ بالا، ص ۱۲۱۔ ۱۲۰

(۳۹) عزم بہزاد، محولہ بالا، ص ۱۵۳۔

(۴۰) عزم بہزاد، محولہ بالا، ص ۱۵۷۔

(۴۱) لیاقت علی عاصم، محولہ بالا، ص ۴۴۔

(۴۲) توقیر تقی، محولہ بالا، ص ۱۱۱۔ ۱۱۰

(۴۳) عبدالکریم خالد، حرف آخر، مشمولہ بیسویں صدی کا ادبی طرز احساس غالب نما (۱۹۹۹ء)، ص ۱۴۴۔

مآخِذ:

آغا، وزیر، ادب میں عصریت کا مفہوم، ۱۹۹۴ء۔

احسانی، جمال، ستارۂ سفر، ہیرالڈ پریس، ۱۹۸۲ء۔

احسانی، شاداب، پسِ گرداب، لاہور: ماورا پبلشرز، ۲۰۰۸ء [اشاعت دوم]۔

احمد، سلیم، چراغ نیم شب، کراچی: عظیمی پرنٹر ناظم آباد، ۱۹۸۵ء۔

______، چراغ نیم شب، کراچی: عظیمی پرنٹر ناظم آباد، ۱۹۸۹ء [اشاعت دوم]۔
اختر، صہبا، مشعل، ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۵ء۔
اسرار، محسن، تاثیر، سرزمین پبلی کیشنز، مئی ۲۰۰۹ء۔
انصاری، سحر، نمود، کراچی: ادبستانِ جدید، ۱۹۷۶ء۔
ایلیاء، جون، گویا، لاہور: حاجی حنیف پرنٹرز، ۲۰۱۱ء [اشاعت دوم]۔
بہزاد، عزم، تعبیر سے پہلے، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔
تقی، توقیر، اناالعشق، دنیائے ادب کراچی، ۲۰۱۳ء۔
جمیل، قمر، چہار خواب، ۱۹۸۵ء۔
خالد، عبدالکریم، حرف آخر، مشمولہ بیسویں صدی کا ادبی طرز احساس غالب نما، ۱۹۹۹ء۔
روحی، ریحانہ، عشق ذاد، کراچی: لاریٹ پیکجز، ۲۰۰۰ء۔
سراج، اجمل، اور میں سوچتا رہ گیا، کراچی: خواجہ پرنٹرز ناظم آباد، ۲۰۱۰ء۔
سلیم، کوثر، خالی ہاتھوں میں ارض و سماں، سیتا سنز پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء [اشاعت پنجم]۔
شاعر، حمایت علی، مٹی کا قرض، کراچی: احمد برادرز پرنٹرز، ۱۹۸۰ء۔
شعور، انور، عشق سخن، کراچی: ڈائلاگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔
______، اندوختہ، کراچی: ذکی پرنٹرز، ۲۰۰۷ء [اشاعت سوم]۔
شفیق، عارف، یقین، ماہنامہ ادبی دنیا، کراچی، ۲۰۱۱ء [اشاعت چہارم]۔
شوق، رضی اختر، جست، کراچی: ڈائیلاگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء [اشاعت دوم]۔
صدیقی، سرشار، بے نام، ۱۹۸۳ء۔
صدیقی، سلمان، سر دست، لاہور: سورج پبلشنگ بیورو، ۲۰۰۵ء۔
______، باز گشت، کراچی: درّاک پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء۔
عاصم، لیاقت علی، تیشِ عشق، مشتاع مطبوعات، ۲۰۱۴ء۔
علیگ، خالد، غزال دشتِ سگاں، کراچی: ذکی پرنٹرز، ۲۰۰۷ء [اشاعت دوم]۔
علیم، عبیداللہ، چاند چہرہ ستارہ آنکھیں، کراچی: سیپ پبلی کیشنز، ۱۹۷۴ء۔
فتح پوری، فرمان، اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ، جولائی ۱۹۹۰ء۔
فروغ، رئیس، رات بہت ہوا چلی، کراچی: طارق رئیس فروغ ناظم آباد، ۲۰۱۶ء۔
قاسم، پیرزادہ، تند ہوا کے جشن میں، شرکت پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء [اشاعت سوم]۔
کوثر، سلیم، دنیا مری آرزو سے کم ہے، کراچی: فرید پبلیشرز، ماسٹر نواز نیاز۔
نگاہ، زہرا، شام کا پہلا تارا، کراچی: گولڈن بلاک ورکس، ۱۹۸۰ء۔